سیاسی نمائندگی کے لئے ذاتی پیش کش اور مدت کا عصری تصور (اسلامی تعلیمات کے تناظر میں)

*حافظ محمد ناصر

**سعید الرحمٰن

Abstract

Islam has considered sprit of age and contemporary environment in application of its teachings, and it didn't ignore intellectual evolution of human society for development it's political, social and economical systems. The article in this perspective discuss two phenomena of present political systems i.e. self offer for seeking political power and fixation a tenure for a government or parliament. The Ahadith related to impermissibility of demand of designations or powers are applied for those who are not fit for that particular job, or who are seeking the power selfishly. Islam does not deny the presenting oneself to be elected with purpose of human service, if he has required qualification. Moreover, human society has learnt from his past which has many examples of massacre to change a government, so it introduced a fixed tenure system for the government. This phenomenon is acceptable with reference to Islamic teachings and most suitable with Islamic principle of Shoora (Consultation).

Keywords: *Political representation, self-offer, Governments' tenure.*

قرآن حکیم نے انبیاء علیہم السلام کی بعثت اور دنیا میں کتب سماویہ کے نزول کا مقصد قیام عدل متعین کیا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

"لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا بِالۡبَیِّنٰتِ وَاَنۡزَلۡنَا مَعَهُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡمِیۡزَانَ لِیَقُوۡمَ النَّاسُ

*اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج، جھنگ

**چیئرمین/ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

بِالْقِسْطِ. وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ“ (الحدید،۵۷:۲۵)

امام طبری (م ۳۱۰ھ) نے اس آیت میں مذکور ”قسط“ کے معنی عدل اور امام رازی (م ۶۰۶ھ) نے انصاف متعین کئے ہیں، امام رازی اس حوالہ سے لکھتے ہیں:

ذکر فی منافع المیزان ان یقوم الناس بالقسط، والقسط والاقساط هو الانصاف وهو ان تعطی قسط غیرک کما تأخذ قسط نفسک والعادل مقسط. (۱)

اللہ نے ”میزان“ کے فوائد میں یہ فرمایا کہ لوگ ”قسط“ پر قائم رہیں، قسط اور اقساط کا معنی انصاف ہے اور وہ یہ کہ آپ دوسرے کو انصاف فراہم کریں جیسے کہ آپ بذات خود انصاف حاصل کرتے ہیں اور عادل مقسط (کہلاتا) ہے۔

معاشرہ میں قیام عدل کے لیے سیاسی نظام کا قیام ایک لازمی تقاضا ہے جس کو قرآن وسنت میں خلافت، امامت، سلطنت، امارت اور بادشاہت کے عنوانات سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (۲)

عصر حاضر میں جو سیاسی نظام مروج ہیں ان میں افراد کو اقتدار میں آنے کی دلچسپی کا باقاعدہ اظہار کرنا ہوتا ہے اور بعد ازیں عوام سے اپنے انتخاب کے لیے رجوع کرنا ہوتا ہے، نیز اس نظام میں اقتدار پر فائز ہونے والے افراد کو ایک متعین دورانیہ دیا جاتا ہے، جس کے بعد ان کی نمائندہ حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔ یہ دونوں مظاہر گذشتہ ادوار میں موجود مسلم اقتدار میں موجود نہیں تھے۔ نہ صرف یہ بلکہ پوری دنیا میں یہ تصورات صنعتی ارتقا کے نتیجہ میں رونما ہونے والے سیاسی نظام میں ابھرے اور انھوں نے عملی سیاسی حقیقت اختیار کی۔ زیر نظر مضمون میں ان دونوں مظاہر کے حوالہ سے قرآن وسنت کی رہنمائی میں تجزیہ مقصود ہے۔

نمائندگی کے لئے پیش کش کا تصور:

ملک کے سیاسی نظام کی باگ ڈور سنبھالنے کے لیے جدوجہد سیاسی دنیا کی ایک معروف حقیقت ہے۔ قرآن وحدیث میں اس حوالہ سے رہنمائی کی گئی ہے۔

قرآن حکیم میں عباد الرحمٰن (بندگان خدا) کی صفات کے ضمن میں ان کی یہ دعاء ذکر کی گئی ہے:

”وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَاماً“ (الفرقان، ۲۵:۷۴)

”اور بنا کر ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا۔“

اس آیت مبارکہ کا مفہوم .امام رازی متعین کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

هذه الآية تدل على ان الرياسة فى الدين يجب ان تطلب ويرغب فيها. (۳)

یہ آیت مبارکہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ دینی ریاست کی طلب اور رغبت کرنا لازم ہے۔

مصر کے معاشی حالات کی تباہی اور حکمران طبقہ کی غفلت وسستی کو دیکھتے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام نے انسانی ہمدردی کے جذبہ سے یہ سوچ کر کہ موجود حکمرانوں میں نہ صلاحیت ہے اور نہ ہی یہ قوم سے مخلص ہیں، بادشاہ وقت سے تقاضا کیا۔

"اِجۡعَلۡنِیۡ عَلٰی خَزَآئِنِ الۡاَرۡضِ ۚ اِنِّیۡ حَفِیۡظٌ عَلِیۡمٌ" (یوسف، ۱۲ :۵۵)

"مجھ کو مقرر کر ملک کے خزانوں پر، میں نگہبان ہوں خوب جاننے والا ہوں۔"

واضح رہے کہ قبل ازیں ایک خواب کی تعبیر میں حضرت یوسف علیہ السلام نے آنے والے گمبھیر حالات کی نہ صرف پیش گوئی جبکہ ان سے نمٹنے کے لئے باقاعدہ حکمت عملی کا تعین بھی کر دیا تھا، بعدازیں موجودہ نظام کی نااہلیت کے پیش نظر زمام کار خود سنبھالنے کے لئے پیش قدمی کی۔

مذکورہ آیت مبارکہ کے تفسیری نکات میں علامہ شبیر احمد عثمانی (ت:۱۳۶۹ھ) فرماتے ہیں:

"یعنی دولت کی حفاظت بھی پوری کروں گا اور اس کی آمد وخرچ کے ذرائع اور حساب وکتاب سے خوب واقف ہوں۔ یوسف علیہ السلام نے خود درخواست کر کے مالیات کا کام اپنے سر لیا، تاکہ اس ذریعہ سے عامہ خلائق کو پورا نفع پہنچا سکیں۔ خصوصاً آنے والے خوفناک قحط میں نہایت خوش انتظامی سے مخلوق کی خبر گیری اور حکومت کی مالی حالت کو مضبوط رکھ سکیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام دنیا کی عقل بھی کامل رکھتے ہیں اور یہ کہ ہمدردی خلائق کے لئے مالیات کے قصوں میں پڑنا شان نبوت یا بزرگی کے خلاف نہیں سمجھتے نیز ایک آدمی اگر نیک نیتی سے یہ سمجھے کہ فلاں منصب کا میں اہل ہوں اور دوسروں سے یہ کام اچھی طرح بن نہ پڑے گا تو مسلمانوں کی خیر طلبی اور نفع رسانی کی غرض سے اس کی خواہش یا درخواست کر سکتا ہے اور اگر حسب ضرورت اپنے بعض خصال حسنہ اور اوصاف حمیدہ کا تذکرہ کرنا پڑے تو یہ ناجائز مدح سرائی میں داخل نہیں۔" (۴)

اور سیاسی طور پر باگ ڈور سنبھالنے کا معاملہ صرف حضرت یوسف علیہ السلام کی خصوصیت نہیں بلکہ سید الانبیاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی یہ دعا تلقین کی گئی:

"وَاجۡعَلۡ لِّیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ سُلۡطٰنًا نَّصِیۡرًا" (الاسراء، ۱۷ :۸۰)

''اور عطا کر دے مجھ کو اپنے پاس سے حکومت کی مدد۔''

یعنی غلبہ اور حکومت عنایت فرما جس کے ساتھ تیری مدد و نصرت ہو تا کہ حق کا بول بالا رہے اور معاندین ذلیل و پست ہوں۔ ابن جریر طبری حضرت قتادہؓ کے حوالہ سے اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

ان نبی اللہ علم ان لا طاقة له بهذا الامر بسلطان، فسأل سلطاناً نصیراً لکتاب الله عزوجل ولحدود الله، ولفرائض الله ، ولاقامة دين الله، وان السلطان رحمة من الله جعلها بين اظهر عباده، لولا ذلک لاغار بعضهم علی بعض فاکل شديد هم ضعيفهم.(۵)

''اللہ کے نبی ﷺ نے یہ یقین کرلیا کہ انھیں اس معاملہ میں حکومتی طاقت کے بغیر غلبہ میسر نہیں آ سکتا، سو آپ ﷺ نے اللہ سے حکومت کے حصول کے ذریعے مدد طلب کی تا کہ اللہ کی کتاب، اللہ کی حدود، اللہ کے عائد کردہ فرائض اور اللہ کے دین کو قائم کرنے کا ذریعہ بنیں، اور بے شک اللہ نے اپنے بندوں کے درمیان حکومت کو بطور رحمت کے رکھا ہے۔ اگر یہ (حکومت) نہ ہوتی تو لوگ ایک دوسرے پر چڑھائی کر دیتے اور طاقتور کمزور کو کھا جاتا۔''

غزوہ خیبر (۷ھ) کے موقع پر کئی دنوں کی کوشش کے باوجود جب قلعہ فتح نہیں ہو رہا تھا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ کل کو میں یہ ذمہ داری اس شخص کو سونپوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ فتح نصیب فرمائیں گے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہر فرد یہ تمنا کرنے لگا کہ کاش! اسے یہ سعادت نصیب ہو اور یہ اختیار و ذمہ داری اسے نصیب ہو۔(٦)

مذکورہ بالا نصوص کے ساتھ ساتھ یہ امر لائق ذکر ہے کہ سیاسی نمائندگی اور انتظامی ذمہ داری کے لیے اپنے آپ کو پیش کرنے کی بابت بعض احادیث میں ممانعت آئی ہے۔ مثلاً سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

لا تسأل الامارة فانک ان عطيتها عن مسئلة وکلت اليها وان اعطيتها عن غير مسئلة اعنت عليها. (۷)

''منصب اقتدار (امارۃ) کے بارے میں سوال مت کرو کیونکہ اگر تمہیں اقتدار مانگنے پر ملا تو

اسے تمہارے حال پر چھوڑ دیا جائے گا یعنی خدا کی طرف سے کوئی مدد نہ ہوگی اور اگر بغیر سوال کے ملا تو خدا کی طرف سے تیری مدد ہوگی۔''

اسلامی تعلیمات کا مجموعی مطالعہ کیا جائے تو رسول اللہ ﷺ کا منشائے مبارک یہ نظر آتا ہے کہ ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لئے خدا کی طرف سے مدد ضروری ہے۔ اس کے برعکس خدا کی طرف سے مدد نہ ملے تو نتیجہ لازماً ناکامی ہوگا اگرچہ کسی شخص کے ذاتی وسائل کتنے ہی زیادہ ہوں۔

لہٰذا عبدالرحمٰن بن سَمُرہ کی مذکورہ حدیث اس پس منظر میں ہے کہ جب اقتدار کا طلب کرنا محض نفس پروری اور جاہ پسندی وغیرہ اغراض کی بنا پر ہو تو وہ نصرت الٰہی سے محروم رہے گا۔(۸)

اس نکتے کی مزید توضیح ایک اور حدیث سے ہوتی ہے کہ جب ایک صحابی کسی انتظامی ذمہ داری کے لئے درخواست گزار ہوئے تو حضور ﷺ نے فرمایا:

انا لا نولی علی هذا العمل احداً سأله و لا احداً حرص علیه (۹)

''ہم کسی ایسے شخص کو اس منصب پر مقرر نہیں کریں گے جو اس کے لئے درخواست کرے اور نہ کسی ایسے شخص کو جس کے لئے اس کے دل میں حرص ہو۔''

اس حدیث مبارکہ میں ممانعت کی وجہ واضح کر دی گئی ہے کہ طلب امارت، اقتدار کی لالچ میں ایک ممنوع امر ہے۔ لہذا اس ضمن میں قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ممانعت کے ارشادات، ایسی صورت یا ان لوگوں کے لئے ہیں جہاں ذاتی اغراض اور خواہشات کا دخل ہو، بالخصوص صلاحیت کا فقدان ہو اور اگر ذاتی خواہش کا دخل اور صلاحیت کا فقدان نہ ہو اور مقصد خدمت دین و انسانیت ہو تو نمائندگی کے لئے اپنے آپ کو پیش کرنا ممنوع نہیں ہے بالخصوص جبکہ کوئی اور اہل موجود نہ ہو۔

جن احادیث مبارکہ میں خود کو نمائندگی کے لیے پیش کرنے سے منع کیا گیا ہے ان کے اطلاق کے حوالہ سے علامہ اسد(۱۰) کی تجویز ہے:

''اسلامی مملکت کے دستور میں واضح اعلان کر دیا جائے کہ جو شخص کسی انتظامی عہدے کا خواہاں ہو (ان میں خود رئیس مملکت کا عہدہ بھی شامل ہے) یا مجلس شوریٰ کا ممبر ہونا چاہے اور اپنے حق میں لوگوں کو ہم رائے بنانے کی کوشش کرے تو وہ انتخاب و تقرر کے حق سے خود بخود محروم ہو جائے گا۔ ایسا اعلان روح شریعت کے عین مطابق ہوگا۔ بہت سے

معاصر مسلمانوں کی طرف سے شورائی حکومت کے خلاف جو وزنی اعتراض کیا جا رہا ہے اس دفعہ سے وہ خود بخود ختم ہو جائیگا۔"(۱۱)

علامہ محمد اسد کی رائے اس حوالہ سے لائق توجہ ہے کہ انسان کے دل میں جس چیز کی رغبت اور تمنا پیدا ہوتی ہے اس کا نفسانی خواہشات کے تابع ہونا بعید از قیاس نہیں اور قومی امور میں نفسانی خواہشات کا دخل، مالی منفعت کا حصول اور اقتدار کی حرص یقیناً بے پناہ نقصان کا باعث بنتی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا نمائندگی کے لئے اپنے آپ کو پیش کرنے سے شرعی طور پر نمائندگی کا استحقاق ختم ہو جاتا ہے یا بعض حالتوں میں اس میں گنجائش پیدا کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔

احادیث کے ظاہری الفاظ سے جو مفہوم نکلتا ہے یہ اس معاشرے کے لئے تو یقیناً لازمی قرار پا سکتا ہے جو پر پیچ اور زیادہ پھیلاؤ والا نہ ہو۔ جہاں آبادی کم اور اس میں با صلاحیت اور کم صلاحیت کے لوگ معروف ہوں۔ انتظامی حوالہ سے ایسے لوگوں کی بابت عوام الناس کی رائے بآسانی معلوم کی جاسکتی ہو لیکن اگر صورتحال اس کے برعکس ہو تو انتظامی امور میں مسائل پیدا ہوں گے، مثلاً فرض کیجئے کسی ادارے کو خاص تعلیم اور تجربہ کے حامل لوگوں کی ضرورت ہو تو زیادہ آبادی والے ملک اور وسیع رقبہ پر پھیلے ہوئے شہروں اور صوبوں کے لوگوں کے بارے میں قوت نافذہ (Appointing Authority) کو کیسے پتہ چلے گا کہ خالی اسامیوں کے لئے مطلوبہ صلاحیت اور خوبیوں کے مالک اتنے لوگ اور فلاں فلاں جگہ موجود ہیں نیز یہ کہ اس فرض منصبی کو نبھانے کے لئے وہ آمادہ بھی ہیں۔ بلاشبہ یہ معلومات اور اہل لوگوں تک انتظامیہ کی رسائی درخواستیں طلب کئے بغیر ممکن نہیں ہے۔

بالکل ایسے ہی قانون ساز اداروں کے لئے نمائندگان کے انتخاب کا معاملہ ہے نیز یہاں ایک ضرورت تقاضا کرتی ہے کہ نمائندگان کا باہمی مقابلہ ہو اور عوام الناس کی پسند و ناپسند واضح طور پر سامنے آئے، اس لئے کہ اکثر و بیشتر ہر حلقے میں مختلف امیدواروں کو لوگ پسند کر رہے ہوتے ہیں۔ اس پسندیدگی اور ناپسندیدگی کے مختلف اسباب ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں نمائندگان کی خوبیوں اور خامیوں پر مباحثے ناگزیر امر ہے، جس سے پتہ چلے کہ فلاں امیدوار یا کسی پارٹی کے نمائندہ کا مشن، قومی پالیسی اور منصوبے کیا ہیں۔ ظاہر ہے کہ آجکل جس پیچیدہ اور وسیع پھیلاؤ رکھنے والے ماحول میں ہم رہ رہے ہیں وہاں درخواستوں کو طلب کئے بغیر اصل صورتحال کا واضح ہونا مشکل ہے۔ اس ضمن میں ایک حدیث قابل غور ہے:

من طلب قضاء المسلمين حتى يناله، ثم غلب عدله جوره فله الجنة. (١٢)

''جس شخص نے منصب قضا کا مطالبہ کیا اور وہ منصب اسے مل گیا، پھر اس کا عدل اس کے ظلم پر غالب آ گیا تو اس کے لیے جنت ہے۔''

خود کو نمائندگی کے لیے پیش کرنے کی ممانعت والی احادیث اور وہ آیات و احادیث کہ جن میں انتظامی اور سیاسی ذمہ داری کی ادائیگی کے لیے خود کو پیش کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے، کے تحلیل و تجزیہ کے بعد یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ نمائندگی کے لیے خود کو پیش کرنا قطعاً ممنوع نہیں ہے۔ ممانعت اس صورت میں ہے جب عہدے اور منصب کے ساتھ ذاتی خواہش وابستہ کی جائے بالخصوص جبکہ اہلیت بھی موجود نہ ہو۔ لیکن جب اہلیت ہو، اور ضرورت اشد ہو نیز ذاتی خواہشات سے بالاتر ہو کر دینی مقاصد اور قومی خدمت کے جذبہ سے سرشار ہو کر اپنے آپ کو نمائندگی کے لیے پیش کیا جائے تو یہ عمل دین و انسانیت کی خدمت اور عصری تقاضوں سے ہم آہنگ ہے۔ اس لئے دور حاضر میں علامہ اسد کی رائے کی روشنی میں عملی نظام قائم کرنا مشکل ہے۔

بنیادی بات یہ ہے کہ قانونی پابندیوں کے ذریعے منفی سوچ رکھنے والوں کو سیاسی نظام میں مداخلت سے روک دیا جائے۔ ایک خاص مدت کے بعد عوام میں شعور بیدار ہو جاتا ہے۔ وہ باشعور، ذی استعداد، معاملہ فہم اور مخلص لوگوں کو پہچاننے لگ جاتے ہیں مگر اس کے لئے ضروری ہے کہ سیاسی نظام تشکیل دینے والی قوت کی ترجیحات درست ہوں ورنہ اس صورتحال کو درست کرنا مشکل ہے جیسا کہ تا حال وطن عزیز میں ایسا ہی ہے۔

الغرض مذکورہ آیات و احادیث کے مجموعی تجزیہ سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ کسی اجتماعی ذمہ داری کی ادائیگی کے لئے ذاتی مفادات سے بالاتر ہو کر اپنے آپ کو پیش کرنا اور اجتماعی تقاضوں کے تحت اس کے حصول کی جدوجہد شرعی تقاضوں کے منافی نہیں ہے جبکہ عصر حاضر کے سیاسی نظام میں عوامی نمائندگی کے لئے اپنے آپ کو پیش کر کے ووٹ کے ذریعے نمائندہ منتخب ہونے کے عمل کو اساسی حیثیت حاصل ہے۔ اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے عالمی منشور اور بین الاقوامی میثاق کی دفعہ 25 (الف) میں مذکور ہے:

ہر شہری کو دفعہ 2 میں مذکور کسی تفریق اور نامناسب پابندی کے بغیر درج ذیل آزادیاں اور مواقع حاصل ہوں گے:

الف۔ مملکت کے امور میں براہ راست یا منتخب نمائندوں کے ذریعے حصہ لینے کی آزادی اور مواقع۔

ب۔ مقررہ مدت میں ہونے والے ان انتخابات میں ووٹ ڈالنے یا منتخب ہونے کی آزادی اور مواقع، جو عام رائے شماری کی بنیاد پر یا خفیہ رائے شماری کے ذریعے ہوں گے اور جن میں رائے دہندوں کو آزادی کے ساتھ اپنی رائے دینے کا حق حاصل ہوگا۔ (۱۳)

اقوام متحدہ کے بین الاقوامی میثاق میں کئی مسلم ممالک بھی شامل ہیں جن میں پاکستان بھی ہے چنانچہ The Representation of the People Act 1977 میں قومی اسمبلی کے انتخابات کے نامزدگی فارم کے بعد کی عبارت اس طرح ہے:

The above mentioned candidate, hereby declare on oth that,

1-(i) I have consented to the above nomination and that i fulfill the qualifications spcified in article 62 of the constitution and i am not subject to any of the disqualifications specified in article 63 of the constitution of any other law for the time being in force for being elected as a member of the national assembly / provincial assembly. (14)

اس حلف میں انتخابی عمل میں حصہ لینے کا ارادہ رکھنے والا فرد اپنے آپ کو اس عمل کا اھل ثابت کرنے کا وعدہ کر کے اپنے آپ کو عوامی نمائندگی کے لئے پیش کرتا ہے۔

نمائندگی کی مدت کا تصور:

اختلاف رائے اور حکومتی پالیسی پر تنقید سیاسی نظام کا لازمی حصہ ہے۔ اس سے بہتر پالیسی سازی میں مدد ملتی ہے اور کبھی صورتحال یہ بنتی ہے کہ حکمران جماعت کی ناکامی اور نااہلی کی وجہ سے اس کی تبدیلی ناگزیر ہو جاتی ہے۔ ماضی میں ایسی تبدیلی کے لےء طاقت کا استعال ہی واحد راستہ سمجھا جاتا تھا جس میں لڑائی جھگڑے اور قتل وغارت گری کی نوبت بھی آ جاتی تھی۔ انسانی تجربات کے نتیجہ میں اب اس امر کو زیادہ موزوں خیال کیا جاتا ہے کہ حکمرانی کا فیصلہ عوام کی رائے دہی کے باقاعدہ نظام کے ذریعہ ہو اور حکومت کے لئے ایک عرصہ کا تعین کر دیا جائے۔ مطلق العنان یا خاندانی بادشاہت رکھنے والوں کے احتساب کا تصور کسی نہ کسی صورت میں رہا ہے۔ تاہم اس کے پس منظر میں گمراہ کن تصورات اور توہم پر مبنی طرز عمل تھا۔ ماضی میں بادشاہ کو ریاستی اختیارات کے ساتھ معبود ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہوتا تھا اور یہ اس بنا پر تھا کہ لوگ اپنے بادشاہ کو بارش برسانے، دریا بہانے اور اچھے غلے کی پیداوار کا ذمہ دار بناتے تھے اور اگر کوئی بادشاہ اپنی اس ذمہ داری سے عہدہ برآنہ ہو سکتا تو اس کو قید، جسمانی سزا اور بعض صورتوں میں رعایا کے ہاتھوں قتل کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ مثلاً میکسیکو کا بادشاہ تخت نشینی کے وقت قسم کھاتا تھا

کہ وہ مینہ برسائے گا، دریا بہائے گا اور اوقات معین پر زمین سے پھل اور غلہ پیدا کرے گا۔ مغربی افریقہ کے قدیم لوگ قحط کے زمانہ میں اپنے بادشاہ کو رسیوں سے باندھ کر اپنے بزرگوں کی قبروں پر لے جاتے تا کہ وہ ان کی مدد سے بارش کرائے بصورت دیگر وہ اسے قید کر دیتے۔ مغربی افریقہ کے لوگ خوشحالی کے زمانہ میں بادشاہ کو جی بھر کر غلہ اور جانوروں کے ریوڑ دیتے مگر قحط سالی کے زمانہ میں بادشاہ کو مارتے اور ذلیل کرتے۔ بعض قومیں تو ایسی حالت میں بادشاہ کو قتل کر دیتیں، چنانچہ سویڈن کے بادشاہ ڈومالڈے کے زمانہ میں ایک شدید قحط پڑا تھا جو کئی سال تک رہا بالآخر مقام اپسالا میں ایک بڑی اسمبلی کے اجلاس میں قرار پایا کہ خود بادشاہ اس قحط کا موجب ہے اس لئے اس کی قربانی کی جائے، چنانچہ اسے قتل کر کے اس کے خون سے دیوتاؤں کے چبوترہ کو رنگ دیا گیا۔(۱۵)

ابتدائی زمانوں کا یہ طرز عمل نسل در نسل آگے چلتا رہا تا آنکہ انتخابی طریقہ سے معزولی یا تبدیلی حکومت کے لئے مدت کے تعین کی روایت مستحکم ہوگئی۔ یہ ضرور ہے کہ قدیم زمانہ میں بارش برسانے، دریا بہانے اور غلہ اگانے کا ذمہ دار اگر بادشاہ کو قرار دیا جاتا تھا تو آج بھی امن، خوشحالی، معاشی ترقی اور قومی تحفظ کا ذمہ دار حکمران طبقہ ہی ہوتا ہے۔

سیاسی حالات کے ارتقا کا جائزہ لیا جائے تو یہ امر واضح ہوتا ہے کہ حکومت کی تشکیل و تحلیل کے حوالہ سے دین اسلام میں اس کا کوئی مخصوص طریقہ کار متعین کرنے کی بجائے روح عصر اور حالات زمانہ کی رعایت کے ساتھ اسے وابستہ کر دیا گیا ہے اور اس کے سیاسی یا انتظامی پہلوؤں کی تعین و تشکیل کو اھل الرائے کی صوابدید کے حوالے کر دیا گیا۔ اسلامی فکر میں یہ بات اصولاً پیش نظر رہی ہے کہ ہر دور کے عصری شعور کو قبول کیا جائے۔

اسی بنا پر امام شاہ ولی اللہ (م 1762ء) کہتے ہیں:

> ''نبی کی شریعت کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی قوم کی مزاج آشنا ہوتی ہے جس میں پیغمبر پیدا ہوتا ہے چنانچہ وہ اپنی ہدایات میں قوم کے عمومی حالات اور ان کی عادات کا لحاظ رکھتی ہے''۔(۱۶)

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

> **ومن سیرتهم(الانبیاء)ان لا یکلمو الناس الاعلی قدر عقولهم التی خلقوا علیها وعلومهم التی هی حاملة عندهم باصل الخلقة.** (۱۷)
>
> انبیاء کرام کی یہ بھی شان ہوتی ہے کہ وہ لوگوں سے ان کی خلقی عقل کے مناسب حال اور

انہی علوم کے مطابق گفتگو کریں جو لوگوں کو ان کی اصل خلقت کے اعتبار سے حاصل ہیں۔

گویا نبوت کسی قوم کے سماجی ڈھانچے کو بلا تفریق ختم نہیں کر دیتی اور نہ ہی کوئی بالکل کوئی اجنبی یا نامانوس سماجی ڈھانچہ ان میں لا کھڑا کرتی ہے بلکہ نبی اس اصولی بات کو سامنے رکھتا ہے کہ جو سماجی اقدار الٰہی مرضیات کے تابع ہوتی ہیں انہیں باقی رکھتا ہے اور جو اس کے خلاف ہوں ان کو بدل ڈالتا ہے۔

جیسا کہ شاہ ولی اللہ رقم طراز ہیں:

> **فيفتش عن الاحكام المشهورة عندهم فماكان صحيحا موافقا لقواعد السياسة الملية لاتغيره بل تدعو اليه وتحث عليه وماكان سقيما قد دخله التحريف فانها تغيره بقدر الحاجة (۱۸)**
>
> نبی اپنی قوم کے ھاں مروج امور کا جائزہ لیتا ہے چنانچہ جو امور، سیاست ملیہ کے موافق اور درست ہوتے ہیں، انھیں بدلتا نہیں بلکہ ان کی دعوت دیتا ہے اور ان کے لیے لوگوں کو آمادہ کرتا ہے اور جو امور غلط ہوتے ہیں کہ ان میں فطری اصولوں سے انحراف در آتا ہے تو وہ انھیں ضرورت کے مطابق بدل دیتا ہے۔

عہد اول میں بھی خلافت کے اعلیٰ عہدے کے علاوہ باقی تمام عہدوں کے بارے میں یہ تصور مسلّم تھا کہ وہ ایک محدود وقت کے لیے ہوتے تھے، گو وقت کا باقاعدہ تعین نہ تھا۔ چنانچہ عہد نبوی اور خلافت راشدہ کے دور میں میدان جنگ کے لیے کسی کو قیادت سونپی جاتی تو اس کا مفہوم کسی ذہن میں یہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ ہر جنگ میں امیر لشکر ہوگا۔ مثلاً حضور ﷺ نے ۱ھ میں سریہ سیف البحر یا سریہ حمزہ بن عبد المطلب کے لئے امیر حضرت حمزہ بن عبد المطلبؓ کو مقرر کیا یا ۱ھ ہی میں سریہ خرار کے امیر سعد بن ابی وقاصؓ کو مقرر کیا۔ (۱۹) ظاہر ہے کہ بعد میں ہر سریہ یا جنگ کے یہ امیر لشکر نہیں رہے۔

اسی طرح جب کسی علاقہ کا کسی کو عامل مقرر کیا جاتا تو اس کے ذہن میں واضح ہوتا تھا کہ خلیفہ وقت کسی بھی مناسب وقت میں اس کو سبکدوش کرنے کا مجاز ہے اور وہ اس کو بہر صورت قبول کرے گا، چنانچہ عمال حکومت تبدیل ہوتے رہے اور کسی نے بھی اس پر اعتراض نہیں کیا مثلاً حضرت عمر فاروقؓ نے عمیر بن سعد کو حمص کا گورنر مقرر کیا اور کچھ عرصہ بعد معزول کر دیا۔ (۲۰) ایسے ہی حضرت ابو موسیٰؓ (عبد اللہ بن قیس) کو حضرت عمر فاروقؓ نے بصرہ کا گورنر تعینات کیا، بعد ازیں حضرت عثمانؓ نے ان کو وہاں سے ہٹا کر کوفہ کا گورنر مقرر کر دیا تا آنکہ حضرت عثمانؓ

کی شہادت ہوئی تو پھر ابو موسیٰ مکہ واپس آ گئے۔(۲۱) حضرت ابو موسی سے پہلے کوفہ کے گورنر حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ تھے جنہیں حضرت عثمانؓ نے معزول کر دیا تھا۔(۲۲) اس طرح کے متعدد واقعات اس امر کی غمازی کرتے ہیں کہ نمائندگی اور عہدوں کے لیے اسلام میں مدت کا تصور اجنبی نہیں۔

موجودہ دور میں زمانے کے تجربات کی روشنی میں اس نوعیت کا اطلاق تمام سیاسی عہدوں پر کرنے کے ساتھ نمائندگی کی مدت کا جو باقاعدہ تعین کر دیا گیا وہ شریعت کے منشا کے متصادم نہیں۔ بلکہ تاریخی ارتقا کے نتیجے میں آج یہ حسن تدبیر، بہتر نظم ونسق اور عدل وانصاف کے طے شدہ اصولوں کے تابع ہے۔اس سے بہتری یہ آئی ہے کہ حکومت کی ناکامی کی صورت میں قتل کے ذریعے قیادت کے ضائع کرنے کی بجائے معزولی اور تبدیلی حکومت جیسے مہذب طریقے اختیار کر لئے گئے ہیں اور حکومت کا محدود وقت متعین کر دیا گیا ہے تا کہ مقررہ اور متعینہ سالوں میں حکومت اپنی سوچ اور پروگرام کو بآسانی عملی جامہ پہنا کر اپنی بات کو اپنے ہی عمل سے صحیح یا غلط ثابت کر دے۔ ممکن ہے آئندہ کوئی اور بہتر طریقہ انسان ڈھونڈ لے۔

اقوام متحدہ نے بھی اپنے سیاسی میثاق میں پارلیمنٹ کی مدت کے تعین کو تسلیم کیا ہے، چنانچہ انسانی حقوق کے عالمی منشور اور بین الاقوامی میثاق کی تمہید کی دفعہ ۲۱ (۳) میں درج ہے:

> ''عوام کی مرضی حکومت کے اقتدار کی بنیاد ہوگی، یہ مرضی باقاعدہ وقفوں سے منعقد ہونے والے ایسے حقیقی انتخاب کے ذریعے ظاہر کی جائے گی جو عام اور مساوی رائے دہندگی کی بنیاد پر ہوں گے اور جو خفیہ ووٹ یا اس کے مماثل کسی دوسرے آزادانہ طریقہ رائے دہی کے مطابق عمل میں آئیں گے۔''(۲۳)

اقوام متحدہ کے میثاق میں مذکورہ شق کی موجودگی اس امر کی غماز ہے کہ نمائندگی کی مدت کے تصور کو تمام اقوام نے تسلیم کر لیا ہے۔

نیز دستور پاکستان کے آرٹیکل 52 میں مذکور ہے:

The National Assembly shall, unless sooner dissolved, continue for a term of five years from the day of its first meeting and shall stand dissolved at the expiration of its term. (24)

گویا پاکستانی دستور میں قومی اسمبلی یا حکومت کی مدت پانچ سال متعین کی گئی ہے نیز اگر اسمبلی کی مقررہ

مدت سے پہلے اس کی برخاستگی کا آئینی تقاضا پیدا ہوجائے تو اس کا طریقہ دستور پاکستان کے آرٹیکل 58 میں دیا گیا ہے:

The president shall dissolve the National Assembly if so advised by the Prime Minister; and the National Assembly unless sooner dissolved, stand dissolved at the expiration of forty eight hours after the Prime Minister has so advised. (25)

اگر وزیر اعظم کی طرف سے مشورہ دیا جائے تو صدر قومی اسمبلی کو تحلیل کرے گا اور قومی اسمبلی اگر پہلے جلد تحلیل نہ ہو چکی ہو تو وزیر اعظم کے اس طرح مشورہ دینے کے 48 گھنٹے گزرنے کے بعد تحلیل ہو جائے گی۔

اگر وزیر اعظم اکثریتی ارکان کی حمایت سے محروم ہو جائے تو دستور پاکستان کے درج ذیل آرٹیکل 58 کی روشنی میں اسمبلی کو اس صورت میں تحلیل کیا جائے گا۔

a vote of no-confidence having been past against the Prime Minister, no other member of the National Assembly is likely to command the confidence of the majority of the members of the National Assembly in accordance with the provisions of the constitution, as ascertained in a session of the National Assembly summoned for the purpose; or a situation has been arisen in which the Government of Federation cannot be carried on in accordance with the provisions of the constitution and an apeal to electorate is necessary. (26)

وزیر اعظم کے خلاف عدم اعتماد کا ووٹ پاس کیا جائے، آئین میں دی گئی شقوں کے مطابق کوئی بھی دوسرا قومی اسمبلی کا ممبر قومی اسمبلی کے باقی ارکان کی اکثریت کا اعتماد حاصل نہیں کر سکتا جب تک اس مقصد کے لئے قومی اسمبلی کا اجلاس نہ طلب کر لیا جائے یا اگر کوئی ایسی

> صورتحال پیدا ہو جائے جس میں ملک کی حکومت کو آئین کی اصطلاحات کے مطابق نہ چلایا جاسکتا ہو تو پھر انتخابات کی اپیل ضروری ہو جاتی ہے۔

قرآن حکیم نے اصول شورائیت کو مسلم معاشرہ کی بنیادی خصوصیات میں شمار کیا ہے اور ایک مقررہ وقت کے بعد حکومت کی تشکیل میں برائے عامہ سے رجوع کرنا، شورائیت کے معنی خیزی میں اضافہ کا باعث بنتا ہے جس سے معاشرہ میں فیصلہ سازی کے حوالہ سے خود اعتمادی کو فروغ ملتا ہے، بیرونی قوتوں کے مقابلہ میں اس میں باہمی ہم آہنگی کی فضا استوار کرنے میں مدد ملتی ہے اور حکومتی معاملات میں دلچسپی سے اس کی سیاسی بالغ نظری جلا ملتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ سیاسی غلبہ کا حصول انبیاء کرام کی سیرت میں موجود رہا ہے تا کہ معاشرہ میں ظلم و جبر کا انسداد اور عدل کا قیام عمل میں لایا جاسکے، اس کے لئے ذاتی مقاصد سے بالاتر ہونا ازبس ضروری ہے، اسی بنا پر ذاتی اہداف و اغراض کی خاطر یا عدم اہلیت کی صورت میں اقتدار کی طلب کو درست قرار نہیں دیا گیا تاہم اجتماعی مقاصد کے لئے اپنی خدمات پیش کرنا یا کسی ذمہ داری کے حصول کے لئے دیانتدارانہ کوشش کرنا از روئے شریعت درست ہے، لہٰذا انتظامی عہدے کی خواہش کے اظہار کی بنیاد پر بلا تفریق کسی کو نا اہل قرار دینے کی رائے اسلامی تعلیمات کی روح سے مطابقت نہیں رکھتی، نیز روح عصر اور حالات زمانہ کی رعایت و لحاظ دین اسلام کے اصولوں میں شامل ہے۔ موجودہ دور میں انسانی تجربات کے نتیجہ میں اس امر کو موزوں خیال کیا جاتا ہے کہ سیاسی اقتدار اور عوامی نمائندگی کے لئے ایک دورانیہ مقرر کر دیا جائے تا کہ طاقت کے بل بوتے پر اقتدار کی تبدیلی کے تصور کی حوصلہ شکنی ہو اور مقررہ وقت کے بعد اقتدار کے لئے استصواب رائے کا موقعہ فراہم کیا جائے۔ عہد اول میں خلافت کے اعلیٰ منصب کے ماسوا دیگر تمام مناصب کے لئے گو تعیین وقت کا دستور نہ تھا مگر تحدید وقت کے تصور کا بالکلیہ انکار نہیں کیا جا سکتا بلکہ موجودہ عہد میں سیاسی نمائندگی کے لئے مدت کا تصور، اسلام کے تصور شورائیت کی معنی خیزی کا آئینہ دار ہے۔

الغرض سیاسی نمائندگی کے لیے موجودہ دور میں اجتماعی مقاصد بروئے کار لانے کے لیے اپنے آپ کو پیش کرنا یا سیاسی نمائندگی کے لیے کسی مدت کا متعین کرنا قرآن وسنت کی روح، تاریخی ارتقا اور روح عصر کا تقاضا ہے اور اس کو خلافت کے مخصوص تصور کے تحت غیر شرعی قرار دینا محض یک طرفہ سوچ ہے، جس سے تنگ نظری اور انتہا پسندی کے رویے جنم لیتے ہیں۔

حوالہ جات وحواشی

١۔ الطبری، محمدبن جریر،ابو جعفر(ت: ٣١٠ھ) جامع البیان عن تاویل آی القرآن. مکتبہ مصطفی البابی الحلبی قاھرہ. ط:ثالثا ١٣٨٨ھ .٢٧: ٢٧٤

الرازی، فخرالدین(ت: ٦٠٦ھ) مفاتیح الغیب المعروف التفسیر الکبیر، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان. ط:الرابعہ: ٢٠٠١ء، ١٠: ٢٧٤

٢۔ خلافت (البقرہ،٢:٣٠)امامت(البقرہ،٢:١٢٤؛الفرقان،٢٥:٧٤)سلطنت(الاسراء،١٧:٨٠)امارت(صحیح مسلم حدیث١٦٥٢)بادشاہت(البقرہ،٢:٢٤٦؛المائدہ،٥:٢٠)

٣۔ الرازی ،التفسیر الکبیر، ٨:٤٨٧

٤۔ عثمانی ،شبیر احمد،مولانا(ت:١٣٦٩ھ)تفسیر عثمانی۔مطبوعہ دارالتصنیف شاہراہ لیاقت کراچی نمبر٣۔س،ن۔ تفسیر متعلقہ آیت

٥. الطبری،جامع البیان. ١٥:١٧٣

٦۔ البخاری،محمد بن اسماعیل'ابو عبداللہ (ت:٢٥٦ھ)الجامع الصحیح ،ک:المناقب، ب:مناقب علیؓ،حدیث نمبر ٣٤٩٨

٧۔ مسلم بن حجاج، نیشاپوری، ابو الحسین، (ت: ٢٦١ھ)الجامع الصحیح، ک: الامارۃ، ب: النھی عن طلب الامارۃ والحرص علیہ،حدیث نمبر ١٦٥٢

٨۔ عثمانی تفسیر عثمانی،القرآن،١٢:٥٥

٩۔ مسلم ،الجامع الصحیح،ک:الامارۃ، ب: النھی عن طلب الامارۃ والحرص علیہ،حدیث نمبر ١٨٢٤

١٠۔ علامہ اسد ایک نومسلم سکالر تھے۔ان کاتعلق آسٹریا کے ایک یہودی خاندان سے تھا۔علامہ اسد نے 1926ء میں اسلام قبول کیااور بقیہ زندگی دعوت وتبلیغ اور تصنیف وتالیف میں بسر کردی۔علامہ اسد کی دینی تربیت زیادہ ترAcademic ہے۔(امجد علی شاکر،تقدیم وتحشیہ،اسلامی مملکت وحکومت کے بنیادی اصول۔ص:٢٢)

١١۔ محمد اسد،علامہ،(ت:١٩٩٢ء)اسلامی مملکت و حکومت کے بنیادی اصول (ترجمہ اردو:مولانا غلام رسول مہر)،جمعیت پبلیکیشنز وحدت روڈ۔لاہور٢٠٠٦ء۔ص:٩١

١٢۔ ابوداؤد، سجستانی، سلیمان بن اشعث، (ت:٢٧٥ھ)السنن، ب:فی القاضی یخطی ویصیب۔حدیث نمبر3575

۱۳۔ اقوام متحدہ، انسانی حقوق کا عالمی منشور اور بین الاقوامی میثاق، ص: 37، 38

14. The representation of the people act,1977, Rule 3,P-142

۱۵۔ منگلوری، طفیل احمد، سید، مسلمانوں کا روشن مستقبل۔ حماد الکتبی شیش محل روڈ۔ لاہور۔ ۱۹۲۵ء۔ ۳۳، ۳۴

۱۶۔ شاہ ولی اللہ (ت: ۱۷۶۲ء) حجة الله البالغه (عربی) نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی۔ س، ن۔ ۱: ۸۹

۱۷۔ ایضاً، ۱: ۸۶

۱۸۔ ایضاً، ۱: ۹۰

۱۹۔ ابن هشام، ابو محمد، عبد الملک، المعافری (ت: ۲۱۳ھ) السيرة النبوية (تحقيق: المصطفىٰ السقاء ابراهيم الابياری و عبد الحفيظ شلبی) مكتبه ومطبعة مصطفى البابی الحلبی مصر. سریه سیف البحر

۲۰۔ الترمذی محمد بن عيسى، ابو عيسى (ت: ۲۷۹ھ) السنن، ک: المناقب۔ حدیث نمبر 3843

۲۱۔ مبارک پوری، محمد بن عبدالرحمن (ت: ۱۳۵۳ھ) تحفة الاحوذی بشرح جامع الترمذی، مكتبه سلفيه مدينه منوره. ط: ثانيه، ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء. ک: المناقب، مناقب ابی موسی

۲۲۔ ابن حجر، عسقلانی، احمدبن علی (ت: ۸۵۲ھ) فتح الباری بشرح صحيح البخاری، المكتبة السلفية. س.ن. ک: الفرائض، ب: ميراث ابنة مع ابن ابنه

۲۳۔ اقوام متحدہ، انسانی حقوق کا عالمی منشور اور بین الاقوامی میثاق، ص: ۸

24. Constitution of the Islamic Reppublic of Pakistan as modified upto the, 31st July,2004,P-33

25. Ibid, P-35

26. Ibid, P-2